کے لیے اس سے بچنا ہر مومن پر فرض ہے واللّٰہ اعلم بالصواب۔(پروفیسر میاں محمد اکرم)

آشنائی اور پسند کی شادی

س: ہمارا گھرانہ ایک دینی گھرانہ ہے۔ والدین نے ہماری تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ فہم دین، صحیح اور غلط کی تمیز اور حلال و حرام کا شعور دیا ہے۔ مگر اس تمام تر تربیت اور اچھے ماحول کے باوجود ہمارے دو بھائی جس اخلاقی گراوٹ کا شکار ہیں اس نے گھر کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک طرف وہ گھر سے باہر دعوتِ دین کا کام کرتے ہیں اور دوسری طرف لڑکیوں سے راہ و رسم بڑھا رکھی ہے۔ فون پر لمبی لمبی گپ شپ کرتے ہیں، تحائف کا تبادلہ، ایک دوسرے سے ملنا جلنا بھی ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارا ذاتی فعل ہے اور پسند کی شادی کرنا گناہ تو نہیں۔ یہ دیکھ کر والدہ اور ہم بہنوں کو بہت دکھ ہوتا ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ایک ہی گھر میں تربیت پاتے ہوئے کردار کا اتنا فرق حیران کر دیتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

کیا اللہ تعالیٰ نے چوری چھپے آشنائی سے منع نہیں فرمایا، اور اس کے مرتکب عذاب کے مستحق نہیں؟

کیا غیر محرموں سے دل لگی کی باتیں کرنا زبان اور دل سے زنا کا ارتکاب نہیں ہے؟

کیا اس طریقے سے پسند کی شادی کی راہ ہموار کرنا درست ہے؟ اگر اس طرح سے کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو ہم اس کو عزت و احترام کا مقام نہیں دے سکتے۔ اگر نہ دیں تو کیا یہ غلط ہوگا؟

ج: آپ کے مفصل خط میں ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے بعض انتہائی مہلک رجحانات کے حوالے سے جو سوالات اُٹھائے ہیں، وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں چند نکات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے:

۱- قرآن کریم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بڑے گناہوں سے بچنے کا واضح

حکم دیا ہے، ان میں چوری چھپے یا بغیر چوری کے آشنائی اپنی شدت کے لحاظ سے کفروشرک سے کم تر نہیں کہی جاسکتی ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ جب ایک شخص زنا کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے تو اس کے قلب میں ایمان موجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ یہ فعل کرتے وقت کفر کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تو اپنے بندوں کو پاک بازی، عبادت اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے، جب کہ شیطان فحش، منکر اور ظلم و شرک کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص جب زنا کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے تو وہ شیطان کی مرضی پوری کرتا ہے اور اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ اس لمحے وہ شیطان کا بندہ بن کر ہی یہ کام کرتا ہے۔

جہاں تک سوال عذاب کا ہے، عذاب اور اچھے اجر کا اختیار صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہے۔ ہم یہ بات تو کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مشاہدے اور تحقیق کی روشنی میں فلاں شخص نے ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کا آخری فیصلہ رب کریم ہی کرے گا۔ یہ نہ میرے اور آپ کے سوچنے کا مسئلہ ہے، اور نہ اس پر کوئی مثبت یا منفی رائے ایسے فرد کے آخرت میں حساب کتاب پر اثرانداز ہوسکتی ہے۔

۲- کسی غیرمحرم کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا یا لگاوٹ کی بات کرنا زنا ہی کی ایک شکل ہے۔ گو ایسے کام میں پوری گنجایش ہوتی ہے کہ اگر ایسے فعل کا عملاً ارتکاب نہیں کیا گیا اور توبہ و استغفار کو اختیار کرلیا گیا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

۳- کسی کا یہ کہنا کہ اگر وہ برائی کا ارتکاب کر رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے اور اس کی بہن، ماں، باپ، بھائی، دوست یا کسی اور مسلمان کو اس پر نہ پریشان ہونا چاہیے، نہ اس سے باز پرس کرنی چاہیے، ایک مکمل غیراسلامی رویہ ہے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بات کہی ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے اولیا ہیں جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحہ، یعنی بھلائی کی طرف متوجہ کرنا، اصلاح اور برائی سے روکنے اور نیکی کی طرف راغب کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

اسلام کا بنیادی نقطۂ نظر جو دیگر مذاہب سے مختلف ہے، یہی ہے کہ یہاں مسئلہ ایک شخص کی 'ذاتی نجات' (personal salvation) کا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے الفاظ میں اپنے نفس

اور اپنے اہلِ خانہ کو جہنّم کی آگ سے بچانے کا ہے۔ اس لیے بھائی بہن ہوں یا اولاد یا پڑوسی یا اجنبی مسلمان' جب بھی اور جہاں بھی برائی نظر آئے اس کی اصلاح اور بھلائی کی حمایت وتقویت قرآنی حکم ہے۔ آپ کے بھائی صاحب کا خیال بالکل درست نہیں ہے۔

۴- آپ کی بات بالکل درست ہے کہ اپنی پسند کی شادی کے نتیجے میں خاندان کے دیگر افراد آنے والی لڑکی کا وہ استقبال نہیں کرسکتے جو وہ مشورے کے بعد ایک لڑکی کے انتخاب کی شکل میں کریں گے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ اس کے باوجود اپنی پسند کا اظہار کرنا لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دین کا غالب رجحان یہی ہے کہ شادی کے لیے لڑکی کے انتخاب میں والدین اور اعزہ کے حق کو تسلیم کیا جائے۔

۵- شادی سے قبل یا بعد' غیرمحرم سے بات کرنے کا حکم یکساں ہے۔ قرآن کریم نے اُمہات المومنینؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اصول بیان کیا ہے کہ وہ کسی سوال کرنے والے کا جواب ایسے لہجے میں دیں جس میں لگاوٹ نہ ہو۔ بات صرف اتنی ہو جتنی ضرورت ہے' بلاوجہ حکایت کو طول دینے کی ممانعت ہے۔ اگر ایک کالج یا یونی ورسٹی میں ایک لڑکا یا لڑکی ایک دوسرے سے کسی درسی موضوع پر بات کرتے ہیں تو یہ بات حرام نہیں ہوگی۔ ہاں' اگر اس کا مقصد دوستی پیدا کرنا' لطائف کا تبادلہ کرنا اور اس طرح بے تکلفی پیدا کرنا ہے تو یہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے منافی اور حرام ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ایک ہی گھر میں تربیت پانے کے باوجود کردار کا یہ فرق کیوں' تو اس میں بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہر شخص حالتِ امتحان میں ہے۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہونا ہے۔ لازمی نہیں کہ باپ کے راستے پر بیٹا بھی چلے۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کی مثال معروف ہے۔ ایسے میں آپ کو خدا کے ہاں جواب دہی اور اخلاقی ذمہ داری کا احساس دلانا چاہیے۔ اس کے علاوہ خاندان کے بزرگوں کو بھی توجہ دلانی چاہیے اور معاشرتی دباؤ بھی بڑھانا چاہیے۔ کوئی تادیبی اقدام بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں منفی معاشرتی رجحانات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔(ڈاکٹر انیس احمد)